جنگ آزادی کی ایک مثالی تحریک

کلیدی الفاظ: معاشرہ #اخلاق#تربیت#حوصلہ#عزیمت#دور بینی

ڈاکٹر جاوید ندیم ندوی
شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Abstract: An Ideal Movement at the Time of Freedom StruggleSyed Ahmad Shaheed was a well-known figure for possessing a remarkable personality, who launched a strong movement against the British colonialism. He believed that the British held sway over this land in a realm when the people lost their worthiness. The kings and princes got indulged in pomp and glitters. Little attention was paid towards the subjects and their aspirations. Thus a wide gulf emerged between the rulers and the ruled. Taking this opportunity the colonial powers made their way successfully to the economic spheres. As a result the nation suffered from various forms of misery and penury, besides superstition and dismay across the society. In order to break out the shell Syed Ahmad Shaheed led the movement and called the people to develop a right understanding of religion and social values so that they could stand firm against the odds of the time. His mission was highly appreciated by the people across the nation. Even Maharaja Scindhia welcomed his mission, hosted this caravan in his palace at Gwalior and wished them to stay there longer. However Syed Ahmed preferred to proceed for his cause and fight against the British colonialists and their allies until he died in 1831 in Balakot.

جہانگیر کے زمانہ سے ہی مغلیہ سلطنت میں معاشرہ کے حالات تیزی سے زوال کی طرف بڑھتے چلے جارہے تھے۔اخلاقی انحطاط معاشرہ میں صاف ظاہر ہونے لگا تھا۔عوام میں جہالت پھیلتی جارہی تھی۔ مذہبی عقائد فرسودہ ہو چکے تھے۔ ایمان ویقین کی کمزوری کی وجہ سے لوگ نجومیوں کے پاس جاتے اور وہاں سے اپنے متعلق نیک شگون حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔معاشرہ ٹوٹ چکا تھا۔بکھر چکا تھا۔ ذاتی اغراض کو فوقیت دی جارہی تھی کمزوروں کو دبایا جارہا تھا۔ طاقتور اپنی بالادستی جمانے کی کوشش کرتا تھا۔حقوق سلب کئے جارہے تھے۔ مزدوروں سے جبرا کام کرایا جاتا تھا۔انہیں معقول مزدوری یا اجرت نہیں دی جاتی تھی۔شہوت پرستی کا مزاج عام ہوتا جارہا تھا۔دربار کے حاشیہ نشینوں میں بھی دولت اندوزی کا زہر سرایت کر چکا تھا۔دولت کی فراوانی نے عیاشیوں کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ بے بہا دولت کا نظارہ دیکھنے میں آتا تھا۔رشوت خوری اس قدر عام ہو چکی تھی کہ اس میں ذرا بھی شرم وحیا کا احساس نہیں تھا۔مزید یہ کہ عوام کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک ہورہا تھا۔جس کی وجہ سے مغلیہ سلطنت تمامتر عظمتوں کے باوجود اپنا اثر ورسوخ کھورہی تھی۔عوام کسمپرسی کے عالم میں تھی۔اس صورتحال کا فائدہ اٹھا کر انگریز اس سرزمین پر اپنے قدم جمانے لگے۔انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ حکومت گرچہ بہت بڑی ہے،شان وشوکت والی ہے، لیکن اس کی تہہ میں خلا واقع ہو چکا ہے۔ لوگ بھی تنگ حال ہو چکے ہیں۔لہذا انگریزی استعماریت کے لئے مطلع صاف ہے۔ چنانچہ 1757 میں پلاسی کی جنگ کے بعد انگریزوں کے حق میں حالات سازگار ہوتے چلے گئے۔ رابرٹ کلائیو کی قیادت میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال کے نواب سراج الدولہ کے خلاف فتح حاصل ہوئی۔میر جعفر کی غداری کی وجہ سے انگریزوں کے حصہ میں کامیابی آئی۔نتیجہ کے طور پر 1772 میں پورے بنگال پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا پرچم لہرانے لگا، اور آئندہ ایک سال میں پورے ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا دبدبہ قائم ہوگیا۔

دینی واخلاقی صورتحال

انگریزوں نے کسی زندہ قوم پر چڑھائی نہیں کی تھی۔ بلکہ یہ امت صفات سے محرومی اور اخلاق سے عاری ہونے کی وجہ سے اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ بیرونی طاقت کی طمع میں اضافہ ہوتا رہا۔فرائض وعبادات سے غفلت ہوگئی تھی۔ کچھ مقررہ طرز کو دینی شعار تصور کرلیا گیا تھا۔مثلا بزرگوں کے کھانے ،مرنے کے بعد قرآن خوانی، فاتحہ، قل،سوم، تیجا، چالیسواں اورسب سے بڑھ کر یہ کہ پیر صاحب کا وسیلہ نجات کے لیے کافی ہوگا۔ان کے علاوہ دینی امور پر مشقت برداشت کرنا حماقت خیال کیا جاتا تھا ۔ اخلاقی انحطاط اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ مؤرخ کا قلم بھی اس کی تصویر کھینچنے سے شرماتا ہے۔فسق ومعصیت ان کے آداب وتہذیب میں داخل ہوکر معاشرہ کا جزو بن گئی تھی۔ اس پر وہ اعلانیہ فخر بھی کیا کرتے تھے۔شراب نوشی کی لت بھی پائی جاتی تھی۔نشہ آور چیزیں مثلا افیون، بھانگ ،تاڑی، وغیرہ کا استعمال بھی تھا۔جس کے نتیجہ میں فساد اخلاق کے علاوہ قوائے عقلیہ اور صحت بھی خراب ہورہی تھی۔ بازاری عورتیں دینی مجالس سے لے کر ہر مجلس کی زینت تھیں۔حد یہ ہے کہ بعض شرفاء اپنے لڑکوں کو ان کے پاس زبان اور آداب مجلس کی تعلیم کے لیے بھیجتے تھے ۔ ارباب نشاط کا ہر طرف دور دورہ تھا۔بیسوا اور زنان بازاری شہری زندگی اور معاشرت کا اہم عنصر اور جزولاینفک تھیں۔دہلی اور لکھنؤ کی معاشرت، مجلسوں کے احوال اور خانگی زندگی کا نقشہ جو نظر آتا ہے اس سے تہذیب کی آنکھیں نیچی اور حیا کی پیشانی عرق آلود ہوجاتی ہے۔ایسے حالات میں سید احمد شہید نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے افراد کی ذاتی تربیت کو ضروری سمجھا۔کیونکہ افراد کی تباہی نے ہی معاشرہ کو تباہ کر رکھا تھا۔ لہذا دہلی اور سہارنپور کے درمیان اصلاحی مہم شروع کی۔

سید احمد شہید کی پیدائش 1201 ہجری (1786 عیسوی) میں لکھنؤ کے قریب رائے بریلی میں ہوئی۔حالات کی سنگینی کے پیش نظر اپنے وطن سے نکل کر اصلاحی مہم شروع کی۔یہ زمانہ 1233 ہجری کا ہے۔ گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھرتے رہے۔

وہاں قیام کر کے لوگوں کو توحید اور اتباع سنت کی دعوت دیتے رہے۔ دلوں کی صفائی کی رغبت دلاتے رہے۔ اخلاق و کردار کی اصلاح پر توجہ دی جاتی تھی۔ شیخ عبدالحء برہانوی اور شیخ اسماعیل بن عبدالغنی جو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے، رفیق سفر رہے۔ ان کے علاوہ علماء کی ایک بڑی جماعت بھی ہمراہ تھی، جو وعظ و نصیحت اور دعوت وارشاد میں پورا تعاون کر رہی تھی۔ اس سفر میں ہزاروں لوگوں کو اصلاح حال کی توفیق ہوئی۔ توبہ وانابت کے ذریعہ لوگوں نے خود کو جاہلی رسم و رواج سے الگ کیا۔ سید احمد شہید کے جان نثاروں نے ایمان ویقین کا ایسا مضبوط درس حاصل کیا تھا کہ نہایت ثابت قدمی کے ساتھ انگریزی استعماریت کے خلاف متحرک اور فعال رہے۔ اسلامی تاریخ کا یہ ایک قابل ذکر واقعہ ہے۔ انگریزی حکومت سے ٹکرانے کے لئے یہ لوگ انقلابی جذبہ کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ سید احمد شہید کا یقین تھا کہ افراد کی اصلاح سے ہی معاشرہ مضبوط ہوگا اور جب تک معاشرہ مضبوط نہ ہو باطل طاقتیں اپنا زور و جبر دکھاتی رہیں گی۔

سادگی اور مساوات کا پیغام

سید صاحب جہاں توحید واحیاء سنت کی دعوت دے رہے تھے وہیں زندگی میں سادگی کے بھی علمبردار تھے۔ چنانچہ ولایت علی عظیم آبادی نامی ایک نوجوان دولت مند گھرانہ سے تعلق رکھتا تھا۔ نوابی شان کے ساتھ اس کی پرورش ہوئی تھی۔ والد کا نام فتح علی تھا جو شہر کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ نانا کا نام رفیع الدین حسین خان تھا جو اس زمانے میں بہار کے گورنر تھے۔ ولایت علی کی زندگی بہت ہی شان وشوکت کے ساتھ گزرتی تھی۔ لباس بھی بڑا فاخرانہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن جب سید صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان کے استاد شیخ محمد اشرف لکھنوی نے بھی سید صاحب سے بات چیت کی تو زندگی یکسر بدل گئی۔ ولایت علی عظیم آبادی نے بالکل سادہ زندگی اختیار کر لی۔ دوسری طرف مسلمانوں میں ذات پات کا تصور بھی قائم ہو گیا تھا۔ پیشہ کی بنیاد پر لوگوں سے امتیاز برتنا اور سلوک میں احتیاط کرنا

مزاج میں داخل ہو چکا تھا۔ جبکہ یہ اسلامی طرز زندگی نہیں ہے۔ سید صاحب نے اس فکر کی سختی سے مخالفت کی۔ بہت عزم وحوصلہ کے ساتھ اس کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ سفر کے دوران مرزا پور پہونچنا ہوا۔ وہاں سات گھرانے ایسے تھے جو مٹی کے ذریعہ اینٹیں بنانے کا کام کرتے تھے۔ خریداروں کے گھر وہ انہیں پہنچایا بھی کرتے تھے۔ اس عمل کے لئے وہ گدھے اور خچر کا استعمال کرتے تھے۔ بعض کے پاس 50 گدھے یا اسی طرح کچھ زیادہ خچر تھے۔ کسی کے پاس 60 گدھے یا خچر تھے۔ شہر میں یہ گدھے والے کے نام سے مشہور تھے۔ اس وجہ سے شہر کے شرفاء اور قدآور گھرانے کے لوگ انہیں نظر انداز کرتے تھے۔ کوئی رابطہ یا تعلق ان کے ساتھ نہیں رکھا جاتا تھا۔ بلکہ انہیں اپنی مجلسوں میں بلانا سبب عار تصور کیا جاتا تھا۔ سید صاحب کا قافلہ جب پہنچا اور گدھے والوں نے ان کا بیان سنا تو بہت متاثر ہوئے۔ ان کے دل میں اس قافلہ کے امیر کی محبت سرایت کر گئی۔ برکت حاصل کرنے کے لیے ان سے ملاقات کا ارادہ کیا، اور اپنے یہاں کھانے پر مدعو کرنا چاہا۔ لیکن میزبان پر تردد کی کیفیت طاری تھی پتہ نہیں کیا ہو؟ بہر حال ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر سید صاحب سے کہا کہ آپ میری دعوت قبول کر کے ہمیں شرف بخشیں گے؟ سید صاحب نے کہا ہاں کیوں نہیں۔ یہ تو میرے لئے عزت کی بات ہوگی۔ گدھے والے خوش ہو گئے اور رشک کرنے لگے۔ شہر میں اس بات کا چرچہ ہو گیا۔ اشراف اور باعزت گھرانوں تک خبر پہنچ گئی۔ وہ آکر سید صاحب سے کہنے لگے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ ان گدھے والوں کی دعوت قبول فرمائیں، اور ان کے ہاں کھانا تناول فرمائیں۔ شہر کے مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ اس طرح کا رابطہ نہیں رکھتا ہے۔ سید صاحب کو حیرت ہوئی۔ پوچھا کیا یہ مسلمان نہیں ہیں؟ کیا ان کی کمائی حلال نہیں ہے؟ گدھے کی سواری انبیاء سے ثابت ہے۔ حرمین شریفین میں بھی لوگ اس کی سواری کرتے ہیں۔ لہذا گدھے اور خچر کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ پھر سید صاحب نے انہیں نصیحت کی اور

انہیں صحیح بات بتائی۔اس کے بعد گدھے والوں کے یہاں کھانا تناول کرنے کے لیے اپنے رفقاء کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ میزبان نے کھانے کے بعد پیسوں اور عمدہ لباس کا تحفہ پیش کیا۔سید صاحب نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔تو میزبانوں کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمایاں ہوئے۔سید صاحب نے دلاسہ دیا کہ مایوسی کی بات نہیں۔میں نے صرف اس وجہ سے نامنظور کیا ہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ دعوت ان ہی تحفوں کے لالچ میں قبول کی تھی۔ یہ دعوت دراصل صرف اسلامی مساوات قائم کرنے کے لیے قبول کی گئی تھی۔

انگریزی حکومت پر اقتصادی ضرب

سید صاحب کا قافلہ حج کے ارادہ سے کلکتہ پہنچا تا کہ وہاں سے بذریعہ بحری جہاز حرمین شریفین کا رخ کرے۔ کلکتہ میں قیام ذرا لمبا ہو گیا۔شہر بڑا تھا۔لوگوں کو سید صاحب کے متعلق معلوم ہوا۔ان کی مجلس میں شرکت کے لیے امنڈ پڑے۔لوگوں کو دین کی پیاس محسوس ہو رہی تھی۔لہذا سید صاحب اور ان کے رفقاء سے بھرپور استفادہ کیا۔شیخ عبدالحئ اور شیخ اسماعیل وعظ ونصیحت میں کافی منہمک رہ رہے تھے۔ لوگوں پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ کہہ بیٹھے کہ ہم نے تو آج ہی اسلام سمجھا ہے۔ اس سے قبل تو ہم اسلام کو سمجھتے بھی نہیں تھے۔لوگوں میں ایسی بے دینی تھی کہ بدعت و خرافات زندگی میں شامل تھی۔شرعی احکام کا پاس ولحاظ نہیں تھا۔شادی بیاہ کا کوئی شرعی نظام نہیں تھا۔ بلکہ مرضی کے مطابق جس کے ساتھ چاہا رہ لئے،جس سے چاہا علیحدہ ہو گئے۔وعظ ونصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ روزانہ تقریبا 10 سے 15 لوگ اسلام قبول کرتے تھے۔ نئی زندگی کا آغاز کرتے تھے۔اس مہم کا ایسا زبردست اثر پڑا کہ شہر کا ماحول بدل گیا۔لوگوں کے عادات واطوار میں تبدیلی آ گئی۔ بے راہ روی سے توبہ کر لی،شراب اور نشہ کی چیزوں سے دوری اختیار کر لی۔ بلکہ مطلقا علیحدہ ہو گئے۔ شراب کا کاروبار ٹھنڈا پڑ گیا۔دکانیں ویران ہونے لگیں۔ شراب کے کاروباری اور شراب کے تاجر انگریزی حکومت کے پاس جا کر اپنی بے حالی کا

تذکرہ کرنے لگے۔ ٹیکس کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔حکومت کے اہل کار نے وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ شہر میں ایک قافلہ آیا ہے جس کی قیادت سید احمد شہید کر رہے ہیں۔ یہ قافلہ اصلاحی مہم میں مصروف ہے۔ ٹیکس کی عدم ادائیگی انگریزی حکومت کے لیے بہت بڑا خسارہ تھا۔کیونکہ شراب سے ان کی آمدنی زبردست تھی۔ سید صاحب کی مہم سے انگریزوں کے اقتصادی نظام پر ضرب لگی۔ انگریز ہندوستان میں دراصل اقتصادی تدبیروں سے ہی طاقت ورسوخ حاصل کر رہے تھے۔

مہاراجہ سندھیا کے محل میں

سید صاحب نے حج سے واپسی کے بعد ایک سال 10 مہینے کے وقفہ سے جہاد فی سبیل اللہ کا بیڑا اٹھایا۔ وطن عزیز کو الوداع کہہ کر 7 جمادی الآخر 1241 ہجری میں پنجاب اور افغانستان کے درمیان سرحدی علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔اس مہم میں ان کا قافلہ ساتھ تھا۔ جو دراصل لشکر تھا۔منزل کا رخ کرتا ہوا لشکر گوالیار پہنچا۔ اس زمانہ میں حیدرآباد کے بعد گوالیار ایک بڑا دارالسلطنت مانا جاتا تھا۔مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کی وہاں حکومت تھی۔ یہ حکومت کافی مضبوط تھی۔اس خاندان کی ایک طویل تاریخ ہے جس میں ان کی مسلمانوں سے جنگیں ہوتی رہیں تھیں۔کبھی امن کا معاہدہ ہوتا کبھی ٹکراؤ ہوا کرتا تھا۔ بہرحال سید صاحب نے مہاراجہ اور اس کے وزیر ہندو راؤ سے خط و کتابت کی۔انہیں انگریزوں سے جنگ پر ابھارا۔ یہ بھی وضاحت کی کہ انگریزوں کی حکومت کینسر کے مرض کی طرح پورے ہندوستان کو تباہ کر دے گی۔ان کے ساتھ کسی سرخ روئی کی امید رکھنا بے سود ہے۔خط و کتابت کے ذریعہ سید صاحب کا تعارف ہو چکا تھا۔جب یہ لشکر گوالیار پہنچا تو وزیر اعظم ہندو راؤ نے زبردست استقبال کیا۔ بلکہ شاہانہ استقبال کیا۔اس وقت اس استقبال میں مہاراجہ کے تقریبا ایک ہزار لوگ پہنچے ہوئے تھے۔شاہانہ طرز پر لشکر کی ضیافت کی گئی۔اعلی معیار کے کھانے تیار کرائے گئے۔مہاراجہ کے لوگوں نے احترام و اکرام

میں خود ہی ان کے ہاتھ دھلوائے۔خوشگوار ماحول میں بات چیت شروع ہوئی۔قیمتی تحفوں سے نوازا گیا جن میں قیمتی کپڑے اور ہیرے جواہرات کے ہار بھی شامل تھے ۔مہاراجہ دولت راؤ سندھیا نے محل میں لشکر کی دعوت کی۔عظیم الشان انداز میں استقبال کیا گیا۔ سید صاحب سے مہاراجہ نے بہت ہی انسیت کے ساتھ بات چیت کی۔ان کی موجودگی کو مہاراجہ نے بابرکت بتایا دعا کی درخواست کی ۔سید صاحب نے مہاراجہ کے لئے ہدایت اور توفیق کی دعا کی۔سید صاحب اوران کے رفقاء کے بلند حوصلہ سے مہاراجہ بہت متاثر ہوا۔ان کی

دور بینی اور جذب ؟اخلاص کی بہت قدر کی۔ سید صاحب کے توکل علی اللہ پر اسے کافی حیرت ہوئی۔ درخواست کی کہ یہاں ایک سال قیام فرمائیں۔لیکن سید صاحب نے معذرت کر دی۔پھر مزید درخواست کی کہ اتنا قیام فرمالیجئے کہ آپ کے لشکر کے لئے جنگی سامان مہیا کیا جا سکے۔سید صاحب نے اس پر بھی معذرت کر دی ۔ کہا کہ سفر طویل ہے،منزل دور ہے،احباب کی تعداد زیادہ ہے،اور جس مقصد کے لیے ہم جا رہے ہیں وہ یہاں کے قیام سے بہت عظیم ہے۔ لہذا جلدی پہنچنا بہت ضروری ہے۔ابھی مہاراجہ سیمحل کے ایک کمرہ میں یہ بات چیت ہو رہی تھی کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔لشکر کے مؤذن شیخ باقر علی نے اسی جگہ اذان دینا شروع کر دیا۔اذان کی۔اذان کی اواز سن کر مہاراجہ، وزیر اعظم، وزراء،اور دربار کے تمام لوگ دم بخود رہ گئے۔ اذان کی آواز سن کر سب کی کیفیت بدل گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہوش سنبھالا۔ پھر لشکر کے لئے پانی اور لوٹے وغیرہ کا انتظام کیا،تا کہ وضو کر سکیں۔ لشکر نے وضو سے فراغت کے بعد صف بندی کی۔سید صاحب نے آگے بڑھ کر جماعت کی امامت کی۔ دو رکعت نماز قصر ادا کی گئی۔لوگ ان کی اس ادا اور قوت ایمانی کا مشاہدہ کر کے حیرت استعجاب میں پڑ گئے،کہ بظاہر یہ لوگ سادہ لباس میں ہیں وسائل کا کوئی ظاہری انتظام نہیں،لیکن باطنی طور پر بہت مضبوط اور ثابت قدم ہیں۔

لشکر کے ساتھ غیبی مدد

لشکر آگے بڑھا سرحدی علاقہ میں پہنچ گیا۔ وہاں افغان قبائلی باشندے آباد تھے ۔سید صاحب کی دعوت اور شخصیت سے متاثر ہو کر زندگی

سنوارنے کی بیعت کر لی۔ توحید و اطاعت الٰہی پر آمادہ ہو گئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک فرانسیسی کمانڈر ان چیف ونتورہ (Vantora) نام سے مشہور تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نزدیک ونتورہ بہت ہی قابل اعتماد جنرل تھا۔اٹلی کے سربرآوردہ خاندان سے اس کا تعلق تھا۔نپولین کے لشکر میں خدمات انجام دے چکا تھا۔اسپین اور اٹلی میں بھی لمبے عرصہ تک فوجی خدمات کا اسے تجربہ تھا۔فرانس میں امن کے نفاذ کے بعد روزی کی تلاش میں وہاں سے چل پڑا کہ کسی بڑی حکومت میں کسب معاش کی گنجائش پیدا ہو جائے۔مصر اور ایران میں بھی ایک زمانہ تک رہا۔پھر ہرات اور قندھار کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا۔مہاراجہ رنجیت سنگھ کو وہ قابل اعتماد معلوم ہوا۔اس نے اسے لشکر کی قیادت سونپ دی۔ کیونکہ فوجی تربیت کے اعتبار سے پوری فوج میں یہ سب سے فائق تھا۔سابقہ فوجی تجربے کی وجہ سے بھی اس کی شخصیت قد آور نظر آرہی تھی۔ لہذا رنجیت سنگھ نے لاہور کا صوبہ اس کے حوالہ کر دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت بہت طاقتور تھی، تاہم وہ ایک بدمعاش اور بدکردار بادشاہ تھا ۔چنانچہ ونتورہ ہر سال قبائلی لوگوں کے پاس لگان اور تحفے وغیرہ وصول کرنے کے لئے آجایا کرتا تھا۔سید صاحب سے بیعت کرنے کے بعد افغان قبائل میں دینی اہمیت بیدار ہو گئی تھی۔غیرت افغانی بھی کروٹ لے رہی تھی۔ چنانچہ قبائل کے سرداروں نیو ونتورہ کے مطالبے کا انکار کر دیا۔جب قبائلیوں نے دیکھا کہ انکار کے بعد صورتحال نازک ہو رہی ہے تو وہ سید صاحب کے پاس آ گئے۔ان کا ساتھ دینے کا عزم ظاہر کیا۔یہ منظر دیکھ کر ونتورہ اپنی فوج لے کر آ گیا، اور پنجتار کی سرحد پر پڑاؤ ڈال دیا۔ وہاں سے اس نے سید صاحب کو ایک خط لکھا، جس میں سید صاحب کی بہت تعریف کی، اور گذارش کی کہ قبائلی سرداروں کو

آمادہ کریں کہ لاہور کے حاکم کے لئے جو لگان اور تحفے تحائف دیا کرتے تھے حسب معمول جاری رکھیں۔اس کے بعد خط میں یہ بھی

دریافت کیا کہ اس علاقہ میں سید صاحب کی آمد کی غرض وغایت کیا ہے؟ سید صاحب نے خط کا جواب تحریر کیا۔ اس میں اپنی ہجرت کی غرض، جہاد اور دعوت اسلام کی تفصیلی وضاحت کی۔ خود کو اللہ کا بندہ بتایا، جس کی کوئی ذاتی غرض نہیں۔ نیز سکھوں کے ظلم وستم کا بھی تذکرہ کیا۔جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حق تلفی ہورہی تھی۔ دینی شعائر پر ضرب لگ رہی تھی۔ان تمام تفصیلات کا ذکر کر کے سید صاحب نے وضاحت کردی کہ قبائلی لوگوں سے کسی طرح کے مطالبے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس خط کو لے کر لشکر کے نمائندہ شیخ خیرالدین چریا کوٹی گئے تھے۔انہوں نے ویتورہ کو خط حوالہ کیا۔اس کے ساتھ گفتگو کی۔ ویتورہ کے سامنے ان کی ذہانت، فطانت اور ثابت قدمی نمایاں ہوگئی۔

اس کے بعد سید صاحب نے جنگ کی تیاری کا اعلان کر دیا۔ 300 مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ تیار کیا۔شیخ خیرالدین چریا کوٹی کو اس کی قیادت سونپی۔ یہ دستہ ویتورہ کی فوج کے سامنے صف بستہ ہوا۔صف بندی کے انداز کو دیکھ کر اسے مسلمانوں کی جنگی صلاحیت کا اندازہ ہوگیا۔غیبی مدد آئی، کہ ویتورہ کی فوج کے سامنے مجاہدین کی تعداد بڑی معلوم ہونے لگی۔کیونکہ ویتورہ کی آمد کے خوف سے آس پاس کے افغان قبائلی سبھی سید صاحب کے ساتھ جمع ہوگئے تھے۔ قادر مطلق نے ویتورہ کے دل میں خوف وہراس پیدا کر دیا۔وہ اپنی فوج کو لے کر بغیر لڑائی واپس آکر پنجاب کے حدود میں داخل ہوگیا۔اگلے سال پھر حسب معمول اسی زمانے میں لگان اور تحائف وصول کرنے کے لیے آیا۔ ساتھ میں فوج بھی لے کر آیا۔اس سال بھی وہی جواب ملا جو گذشتہ سال ملا تھا۔تو پنجتار کی طرف روانہ ہوا ۔مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خالی ہاتھ واپسی پر ونتورہ کی لعنت ملامت کی۔ اس کو کمزوری اور ناکامی کا طعنہ دیا۔ونتورہ کو عار محسوس ہوا۔اس دھبہ کو دھونے کے

لیے اس نے قدم اٹھایا۔ 10 ہزار کی فوج لے کر آگے بڑھا سید صاحب نے افغانی سرداروں کو باخبر کر دیا۔ دفاعی غرض سے دو پہاڑوں کے بیچ دیوار کھڑی کرنے کا حکم نافذ کیا۔ مجاہدین نے دیوار کھڑی کر دی۔ جو چار گز چوڑی اور 40 یا 50 گز لمبی تھی۔ غزو؟ خندق کی یاد تازہ ہوگئی۔ اس واقعہ کے احساس سے سرشار مجاہدین نے استقامت کے ساتھ کام کیا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت فوج پہنچ گئی۔ سید صاحب نے مجاہدین کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ اس کے بعد لڑائی شروع ہوگئی۔ سید صاحب نے مجاہدین کو لڑائی کی پیش قدمی منع کر رکھی تھی۔ جب وینتورہ کی فوج نے دیوار توڑ دی، تب حملہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مجاہدین آگے بڑھے۔ وینتورہ کو شکست کا احساس ہوگیا۔ اپنی فوج کے ساتھ واپس ہوگیا۔ کیونکہ اسے مجاہدین کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہو رہی تھی۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ محض غیبی مدد تھی

۔

انگریزوں سے مقابلہ

انگریزی حکومت سے مقابلہ کے دوران جان نثار مجاہدین نے اس انداز سے جانبازی دکھائی کہ کچھ دنوں کے لئے انگریزوں کی پنجاب چھاؤنی بالکل ہی خالی ہوگئی تھی۔ کیونکہ سارے فوجی سید صاحب کے جانثاروں سے مقابلہ کے لیے روانہ کر دیے گئے تھے۔ جب انگریزوں سے بن نہیں پڑا، تو آس پاس کے مقامی لوگوں کو سید صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ یہ انگریزوں کی پرانی تدبیر رہی ہے۔ اس طرح مجاہدین کے رسد کا راستہ بند کرنے کی تدبیر اختیار کی گئی۔ جنگ زبردستی تھی۔ انگریزی فوج مجاہدین کے حملوں کی وجہ سے پریشان ہوگئی تھی۔ گھٹن اور مایوسی سے دوچار نظر آ رہے تھے۔ خوف کا عالم طاری ہوگیا تھا۔ یہاں تک تک کہ انگریزی فوج کے پاؤں اکھڑنے لگے تھے ۔

بالاکوٹ میں شہادت

ماہ رجب 1246 ہجری میں سید صاحب اپنے رفقاء کے ہمراہ پنجتار سے بالاکوٹ کی

طرف روانہ ہوئے۔راستہ میں آپ کوخبر ملی کہ ہری سنگھ حاکم ہزارہ 25 ہزار پیادوں کا ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہو چکا ہے۔دریائے سندھ پار کر کے اطراف کے گاؤں میں غارت گری شروع کر دی ہے۔لوگوں کو لوٹ مار کا نشانہ بناتا چلا جا رہا ہے۔بڑی تعداد میں مسلمان لڑکیوں اور خواتین کا اغوا بھی کر لیا ہے۔ پہاڑی علاقہ میں کا سکھوں کیتا خت وتاراج کی وجہ سے بڑی بے اطمینانی کی کیفیت پائی جا رہی تھی۔ سکھ وہاں کے قبائلی سرداروں کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے۔بعض سرداروں کو ان کے ملک سے نکال دیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ سید صاحب سے آ کر مل گئے۔5 ذیقعدہ 1246 ہجری کو سید صاحب اپنے لشکر کے ساتھ بالاکوٹ پہنچے۔یہ 24 ذیقعدہ1246 ہجری کی تاریخ تھی کہ سکھ پہاڑی راستہ سے مٹی کوٹ کی طرف اترتے ہوئے نظر آئے۔جنگ شروع ہوگئی۔اسی جنگ میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔شیخ محمد اسماعیل نے بھی شہادت پائی۔اس معرکہ میں آپ کے ساتھ 300 سے زائد مجاہدین جو اپنے اپنیعلاقے کے قابل فخر اور لب لباب شمار کیے جاتے تھے شہادت سے سرفراز ہوئے۔سبھی کی قبریں ایک ہی جگہ گنج شہیداں میں بنیں۔

ملاحظات:

Short History of Muslim Rule A''Ishwari Prasad, Private (Publications) The Indian Press ''in India LTD., Allahabad, 1994, p. 471

Ibid.

''The Discovery of India''Jawaharlal Nehru, Jawaharlal Nehru Memorial Fund, New Delhi, Oxford University Press, New Delhi, 2003, p. 281

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، "سیرت سید احمد شہید"، حص ؟ اول، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، 2011، ص67

ایضا، ص68

آیضا، ص، 68

Ishwari Prasad Op Cite., p. 471

سیرت سید احمد شہید، سابق الذکر، ص69

ابوالحسن علی الحسنی الندوی، اذا ھبت ریح الایمان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ص19

, ''The Indian Musalmans''W.W. Hunter, Indological Book House, Varanasi, 1969, p. 13

Jawaharlal Nehru, Op Cite., p. 282

اذا ھبت ریح الایمان، سابق الذکر، ص111

The Wahabi Movement ''Qeyamuddin Ahmad, , Firma K.L. Mukhopadhyan, Calcutta, ''in India 1966, p. 202

جب ایمان کی باد بہاری چلی، سابق الذکر، ص215-230

☆☆☆